قصیدہ معراجیہ
کا
تحقیقی جائزہ
تضمینات
محاورات
علم عروض
کتب
رسائل
شروحات
محاکات
پیکر تراشی
ضلع جگت
حرفِ روی
تحقیق
سید محمد مبشر اللہ رکھا قادری
انجمن ضیاءِ طیبہ

قصیدہ معراجیہ
کا
تحقیقی جائزہ

ضیائی سلسلۂ اشاعت : 108

نام کتاب : قصیدۂ معراجیہ کا تحقیقی جائزہ

تالیف : سید محمد بشر قادری

صفحات : 80

تعداد : 1100

سنِ اشاعت : رجب المرجب ۱۴۴۱ھ / مارچ ۲۰۲۰ء

کمپوزنگ : مولانا محمد اویس سلطانی

پروف ریڈنگ : ندیم احمد ندیم نورانی

سرورق : محمد مدثر اکرام قادری

طباعت :

ہدیہ :

ناشر : ضیائی دار الاشاعت، انجمن ضیائے طیبہ

Anjuman Zia-e-Taiba — انجمن ضیاءِ طیبہ

E-mail: info@ziaetaiba.com, Url: www.ziaetaiba.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا
(ترجمہ کنزالایمان)

رُباعی

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پیش لفظ

اعلیٰ حضرت مُجدّدِ دین وملّت امام احمد رضا خاں مُحدّث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدۂ معراجیہ اُردو شعر وادب میں ایک انتہائی وقیع مقام رکھتا ہے۔ اربابِ اہلِ سخن اِس کی فنی خوبیوں سے متاثر ہوکر، اس کی تعریف وتوصیف میں خامہ فرسائی ولب کشائی کرتے رہے ہیں اور مختلف فنی جہات اور گوناگوں پہلوؤں سے اِس قصیدے پر علمی وتحقیقی مضامین قلم بند کرکے جہاں ایک طرف اُردو ادب کے دامن کو وسیع کرتے آئے ہیں، وہیں گلشنِ رضویات میں بھی مہکتے ہُوئے دل کش رنگین پھول کھلاتے رہے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون: ''قصیدۂ معراجیہ کا تحقیقی جائزہ'' بھی رضویات کے شعبے میں ایک عمدہ اضافہ ہے، جو دراصل انجمن ضیائے طیبہ کے چیئرمین جناب سیّد محمد مبشر قادری زِیْدَ مَجْدُہٗ نے حضرت علامہ مولانا ابوالقاسم قادری ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَۃ کی شرحِ قصیدۂ معراجیہ کے پیش لفظ کے طور پر لکھا تھا۔ یہ شرح انجمن ضیائے طیبہ (کراچی) نے حال ہی میں معراج شریف کے موقع پر، شارح کے قلمی نام (عاصی بغدادی) سے رجب المرجّب 1441ھ مطابق مارچ 2020ء میں شائع کی ہے۔ مبشر صاحب کا وہ پیش لفظ اتنا طویل ہو گیا تھا کہ انجمن ضیائے طیبہ کو اُسے الگ سے کِتابچے کی صورت میں شائع کرنے کا پروگرام بنانا پڑا؛ اور اب وہ علمی و تحقیقی طویل پیش لفظ، اِس کِتابچے کی صورت میں آپ معزّز قائین کی قدردان نظروں کے سامنے اور مبارک ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی سے دعا ہے کہ وہ جناب سیّد محمد مبشر قادری زِیْدَ مَجْدُہٗ کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے اور اُن کی اِس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشتے ہُوئے مقبولِ خاص و عام بنائے۔

اٰمِین یَارَبَّ الْعَالَمِین بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم!

ندیم احمد ندیم نورانی غُفِرَلَہٗ
اسسٹنٹ ایڈیٹر، ماہنامہ ''ضیائے طیبہ، کراچی''

قصیدہ معراجیہ کا تحقیقی جائزہ

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت شاہ امام احمد رضا خاں محقق و محدث بریلوی نَوَّرَاللہُ تَعَالٰی مَرْقَدَہٗ کا شہرۂ آفاق دیوان ”حدائقِ بخشش“ دورِ حاضر میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی توصیف و ثنا بیان کرنے کا ایک اعلیٰ دیوان ہے... ایک معتبر دیوان ہے... ایک مستند دیوان ہے... جب کہ دیگر علمائے اہلِ سنّت کے نعتیہ دیوان بھی عوام و خواص کے لیے راہِ ہدایت ہیں، لیکن کچھ ایسے شعرا جن کا علم... جن کا قلم... جن کے اَفکار... وغیرہا تنقیدات کی زد میں ہیں اور غیر مستند ماخذ کے دائرے میں گھومتے ہیں... اس دائرے سے عوامِ اہلِ سنّت کو دور رکھنے کے لیے سلجھے اور کھرے ادیب و علما کی خدمات جاری ہیں۔

یہاں حدائقِ بخشش کا تعارف کرنا یا کروانا "سورج کو چراغ دکھانے" والی مثال ہوگی چوں کہ حدائقِ بخشش پر قلم کا ایک وسیع ذخیرہ دنیا میں موجود ہے... جس سے کتابِ ہذا کے قارئین اور حلقۂ احباب بہ خوبی واقف ہیں... حدائقِ بخشش پر شروحات و تضمینات... مضامین و مقالہ جات... تنقیدات و تقابل... پی ایچ ڈی تھیسس... متفرق ضخیم کتب اور مختلف رسائل و کتابچے... موجود ہیں... اور سیکڑوں قلم اپنی روانی کے ساتھ قرطاس پر دوڑ رہے ہیں...

سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوشوں میں واقعۂ معراج ایک عظیم واقعہ ہے جو حضراتِ شعرا کا بھی محبوب موضوع رہا ہے... امام اہلِ سنّت نے اپنے حدائق میں مختلف کلاموں کے علاوہ قصائد کا ایک بڑا رقبہ بھی آباد کیا ہوا ہے... جس میں مہکتے و جھلملاتے اشعار... خوبصورت پھولوں سے مزین پودوں کی مانند اپنی خوشبوئیں بکھیر رہے ہیں... اسی رقبے میں ایک طویل و وسیع حدیقہ "قصیدۂ معراجیہ" کے نام سے نظر آتا ہے...

قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی
جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

آیئے فقیر آپ کو اِس حدیقے کی سیر کروائے...

اس حدیقے کا وجود ایک کرامت ہے... ظہر سے عصر کے درمیانی وقت میں طویل قصیدے کو تخیل کی کہکشاؤں سے قلم پر لایا گیا... تخیل کی پرواز کا انداز حد درجہ متوازن اور سنبھلا ہوا... 67/ اَشعار پر مشتمل عرب سے اعراج تک کی منزلوں کی تصویر کشی سے نکھارا گیا... قرآن و حدیث کے اقتباسات کے ساتھ ساتھ ریاضی کی اصطلاحات سے مضمون کو نبھایا... Imagery میں مقامی بوباس سے بیل بوٹوں کو سجایا گیا... الفاظ کو عروض، روی و قافیہ اور بحر میں قلمبند کیا گیا... نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال و جلال کی کیفیت کا پر تو اور اس کے اثرات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں... حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدومِ میمنت لزوم کا عرشیوں پر ردِّ عمل بڑی شاعرانہ نکتہ سنجیوں کے ساتھ بیان ہوا... نسبتاً مشکل بحر میں قصیدہ لکھا، لیکن کہیں بھی جمال و جلال کے آبگینوں کو ٹھیس نہیں لگنے دی... اس میں معراج کی روایات کا بیان نہیں ہے، بلکہ شبِ معراج کا تہنیت نامہ ہے، جس میں بہجت آگیں افکار

کی نغمگی کا بہاؤ پورے قصیدے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے...اس کی زبان نہایت سادہ، شائستہ اور با محاورہ ہے...روز مرہ کا بر محل اور مناسب کلمہ قریب قریب ہر شعر میں نظر آتا ہے...زبان کی سلاست یہاں تک ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آیتِ کریمہ یا احادیث کی تلمیحات تک سے امکانی طور پر کلام کو بچانے کی کوشش کی گئی ہے... پورا قصیدہ نظم موسیقیت و ترنم کا حسین مرقع ہے... Lyrical Poetry کا امتیازی وصف ہے... بیشتر خالص اردو کے مترنم الفاظ مصرعوں میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں... معنیٰ آفرینی، رفعتِ موضوع، ندرتِ فکر اور پُر شکوہ اسلوب پر منطقی استدلالیت قصیدے کو Odes کا ملبوس عطا کرتی ہے جو Lyrics کی ترقی یافتہ صورت ہے... قصیدے میں عروسِ فن کے لب و رخسار کو خالص اردو الفاظ اور بندشوں کے سامانِ آرائش سے سجایا ہے...اس تہنیت نامے میں سرور ونشاط کی کیفیت نے ایک متحرک بہاریہ فضا پیدا کر دی ہے...اس تہنیت نامے میں کوئی شعر ایسا نہیں جس میں موسیقی کا زیر و بم موجود نہ ہو... المختصر "قصیدہ معراجیہ "بنیادی اعتبار سے... سلاست Clarity ... بلاغت Brevity... متانت Urbanity ... اور سادگی Simplicity ... جیسے اسلوب کا پیکر و سنگم ہے...

قصیدۂ معراجیہ کا پس منظر

ضلع لکھنؤ کے ممتاز نعت نگار حضرت مولانا سیّد محمد محسن ابنِ مولانا حسن بخش علوی کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: 1242ھ / 1823ء) اپنا مشہور قصیدہ اعلیٰ حضرت کو سنانے کے لیے بریلی تشریف لائے، جس کا مطلع یہ ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ظہر کے وقت دو شعر سنے اور باقی قصیدہ عصر کے بعد سننے کا طے ہوا...[1] نمازِ عصر سے قبل آپ نے اپنا قصیدۂ معراجیہ لکھ لیا... پھر نماز عصر کے بعد جب دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے... تو

---

[1] عصر کی نماز سے قبل اعلیٰ حضرت نے اپنا "قصیدۂ معراجیہ" تصنیف فرمایا... پھر معمول کے مطابق اعلیٰ حضرت عصر کی نماز پڑھ کر مکان کے پھاٹک میں چارپائی میں تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں زائرین تشریف لاتے کرسیوں پر بیٹھتے جب کرسیاں باوجود کثرتِ تعداد ناکافی ہوتیں تو چند بینچ اور تخت سائبان میں رہتے وہ صحن مکان میں کھینچ لیے جاتے بقیہ لوگ اس پر بیٹھتے زائرین حاجتیں پیش کرتے ان کی حاجتیں پوری کی جاتیں حقہ، پان سے ہر ایک کی تواضع کی جاتی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لیں [1]... آپ نے جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ سنا تو اپنے قصیدے کو جیب میں رکھ کر اعلیٰ حضرت سے مخاطب ہوئے کہ: مولانا...! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا... حضرت مولانا محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کا... 18 صفر المظفر 1323ھ... کو وصال ہوا۔

یہاں ایک بات ضرور قابلِ غور ہے کہ اس واقعے کی شہرت میں سوانح نگار و مقررین کا ایک بڑا حصّہ شامل ہے... لیکن لکھنے والوں اور بیان کرنے والوں نے اس واقعے کی زد میں حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کے فن پر عجیب ضرب لگادی ہے... بیان کرنے میں اکثر اسی طرح منظر کشی کرتے ہیں کہ "محسن کاکوروی اپنا قصیدہ لپیٹ کر اور جیب میں ڈال کر چل دیے"... وغیرہ جیسے جملے... اب جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ ایک سیّد زادے ہیں اور اپنے وقت کے بلند پائے کے شاعر اور جو قصیدہ آپ سنانے آئے وہ بھی "قصیدہ لامیہ" کے نام سے ایک بڑی شہرت کا حامل قصیدہ تھا... ان تمام خصوصیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس واقعے کی منظر کشی میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقابل

---

[1] اعلیٰ حضرت کا پہلے پڑھنا ادباً تھا، کیوں کہ اگر یہ قصیدۂ 1304ھ میں لکھا گیا ہے تو اُس وقت، اعلیٰ حضرت 32 سال کے تھے، جب کہ محسن کاکوروی صاحب کی عمر اُس وقت 62 سال تھی، اور نسباً سیّد بھی تھے؛ لہٰذا، عمر اور نسب دونوں اعتبار سے آپ نے محسن کاکوروی صاحب کا ادب کرتے ہُوئے اپنا کلام پہلے پڑھا۔ مشاعروں کا بھی یہی اصول رہا ہے کہ پہلے چھوٹا شاعر کلام پڑھتا ہے پھر بڑے کی باری آتی ہے۔

محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا ہوتا کہ گویا محسن کاکوروی شاعری کے میدان کے کوئی نئے کھلاڑی ہیں۔ جب کہ تقابل ہمیشہ ہم پلّہ سے کیا جاتا ہے جو کہ اعلیٰ حضرت اور محسن کاکوروی کے درمیان بالکل درست ہے، لیکن عقیدت کی عینک میں ایک ماہر علم کے فن کو بالائے طاق رکھ کر فقط یک طرفہ تقابل درست نہیں۔ فقیر کے مطالعے میں اس پہلو کو بڑے سلیقے سے تحریر کرنے والے ایک ہی لکھاری نظر سے گزرے... میرزا امجد رازی... رازی صاحب سے فقیر کا علم دوستی والا تعلق پچھلی ایک دہائی سے ہے...

لکھتے ہیں کہ: ”نمازِ عصر کے بعد دونوں استاذانِ سخن بیٹھے تو حضرت رضا نے فرمایا پہلے میرا قصیدۂ معراجیہ سن لو، یہ قصرِ نفسی و عاجزی تھی کہ پہلے پڑھا کیوں کہ مشاعروں کا بھی یہی اصول رہا ہے کہ پہلے چھوٹا شاعر کلام پڑھتا ہے پھر بڑے کی باری آتی ہے...“

فرش والے تِری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا! عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

(حدائقِ بخشش)

قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف و اشاعت

محقّقِ اہلِ سنّت علامہ نسیم احمد صدّیقی نوری، انجمن ضیائے طیبہ کی شائع کردہ کتاب "ضیائے حدائق بخشش"[1] میں قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"تصنیف کا سال معلوم نہیں... لیکن قیاس یہ ہے کہ 1320ھ سے قبل لکھا گیا... ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی 1997ء میں رقم طراز ہیں کہ قصیدۂ معراجیہ 1303ھ / 1885ء میں لکھا گیا... 67 اشعار پر مبنی یہ قصیدہ بعنوان "در تہنیتِ شادیِ اسریٰ" علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو کر مقبول ہوا... 1325ھ میں اسے حدائق بخشش حصّۂ اوّل میں شامل کر کے شائع کیا گیا۔"

[1] انجمن ضیائے طیبہ کی جانب سے "حدائق بخشش" کے سو سالہ جشن 1325ھ تا 1425ھ کی مناسبت سے ایک دستاویزی کتابچہ "ضیائے حدائق بخشش" سو سالہ اشاعتی سفر... 2004ء میں عرسِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر شائع ہوا۔

ماہ نامہ ضیائے طیبہ (کراچی) کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ندیم احمد ندیم نورانی صاحب نے قصیدۂ معراجیہ کے اوپر درج شدہ عبارت: "معراج نظم نذرِ گدا بحضور سلطان الانبیا عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالثَّنَا در تہنیت شادیِ اسرا" میں موجود الفاظ "معراج نظم" کے اعداد (1304) شمار کر کے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ 1304ھ میں لکھا گیا ہے۔

قصیدۂ معراجیہ کی تحقیق کے دوران فقیر نے ذیل میں 3 نادر اَشعار کی نشاندہی کی ہے... جو گلزارِ نعت، کانپور میں شائع ہوئے تھے... ماخذ میں اس کے چھاپے کا سن 1319ھ درج ہے... گویا یہ 1319ھ میں یا اِس سے قبل ہی لکھا گیا۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

قصرِ دَنیٰ کے راز میں عقلیں تو گُم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے تم بھی کچھ سُنا کہ یوں

(حدائقِ بخشش)

قصیدۂ معراجیہ کے 3 نادر اشعار

سیّد محمد عبد اللہ قادری اپنے مضمون "کلامِ رضا کے چند نادر نمونے"[۱] میں قصیدۂ معراجیہ کے 3/اشعار کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجۂ ذیل اشعار بھی حدائق بخشش میں شامل نہیں ہیں جو گلزار نعت (مطبوعۂ کانپور، 1319ھ، ص 60) میں شائع ہوئے تھے ملاحظہ ہوں:

1 وہ حُسنِ بے خود کہ جس کے موسیٰ تھے ناز بردارِ لَنْ تَرَانِیْ
اُسی کے جلوے سے ہم بھی یاں نورِ چشمِ دل کو بڑھا رہے تھے

2 بڑھا وہ سروِ چمن خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ اک دم میں لوح و کرسی سے بڑھ گئے تھے[۲]

3 ہجومِ شوخانِ خلد سے واں ہر اک روِش عالَم چراغاں
بھبو کے چہرے جڑاؤ گہنے چمک دمک پر بھڑک رہے تھے[۳]

---

[۱] یہ مضمون آپ نے اپنے والدِ مکرم مولانا سیّد نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی ڈائریوں کی مدد سے تیار کیا ہے۔

[۲] یہ شعر قصیدۂ معراجیہ میں کچھ تبدیلی کے ساتھ اس طرح شامل ہے:
چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

[۳] اس حوالے سے مزید تحقیق کی جا سکتی ہے۔

حدائقِ بخشش پر شروحات و کتب و رسائل

امامِ اہلِ سنّت کے کلام کی شرح میں ... سب سے پہلے ... الاستمداد ... "سچی بات سکھاتے یہ ہیں"... کے ضمن میں ... مفتی اعظم ہند علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سامنے آتا ہے..

اس موضوع کو مزید وسعت دی جائے تو عموماً کلاموں پر دو انداز میں ... قلمی و بیانی ... شرح کی جاتی ہے ... شرح کیا ...؟ کیوں ...؟ کیسے ...؟ کا جواب ... اردو کی حویلی سے یوں ملتا ہے کہ 1611ء میں سب سے پہلے شرح کا لفظ استعمال کیا گیا... اہلِ لغت کے ہاں تشریح، توضیح Any book that explains a text یعنی وہ کتاب جس میں کسی کتاب کے معانی و مطالب کی تشریح کی گئی ہو... سے جانا جاتا ہے... اور مزید لغت کی الماری آسانی سے سمجھا سکتی ہے... تاریخ کی الماری میں قلمی شرح پر بھی کافی دفتر قائم ہیں... البتہ تاریخی حیثیت کے اعتبار سے دنیا میں پہلی شرح کب ...؟ اور کونسی ...؟ کا جواب دشوار ہوگا... اور بیانی شرح کا تاریخی پس منظر بھی ضرور تحقیق کا محتاج ہے... علمائے اہلِ سنّت نے اپنے خطابات، وعظ اور درس میں اسلاف و اخیار

کے دیوان و کلام یا اشعار کی شروحات بیان کیں ہیں... اور جب بات ہو حدائقِ بخشش کی یا اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت کے کسی کلام و شعر کی تو علمائے اہل سنّت کے لب کیسے خاموش رہیں...؟ یقیناً پاک و ہند کے لاؤڈ اسپیکرز اس بات کی گواہی دیں گے کہ "حدائقِ بخشش" کے قصائد و کلام پر... مفسرِ اعظم علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں... حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدّیقی... شارحِ رضویات حضرت احسن العلماء... تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری... قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدّیقی... حضرت علامہ مفتی محمد منظور احمد فیضی... حضرت علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری... حضرت علامہ مفتی اشفاق احمد رضوی... مفتی ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین... وغیرہم نے بیانی شرح سے عوام کی سماعتوں کو محظوظ کرتے ہوئے دین کی آبیاری میں حصّہ ڈالا... اور اب جو بقیدِ حیات ہیں... محدثِ کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ اعظمی... اشرف الفقہا حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف قادری... یادگارِ اسلاف حضرت علامہ سیّد محمد محفوظ الحق شاہ صاحب... حضرت علامہ عبد الہادی قادری نوری... حضرت علامہ مفتی محمد منّان رضا خاں منانی میاں... حضرت علامہ نسیم احمد صدّیقی نوری... حضرت علامہ قاضی عبد الدائم دائم... حضرت علامہ ابو القاسم قادری ضیائی... وغیرہم باغبانی فرمارہے ہیں...

جب کہ شارحین نے مکمّل حدائقِ بخشش کی شروحات لکھنے میں قصیدۂ معراجیہ کو بھی شامل کیا ہے... اور حدائقِ بخشش پر کسی بھی پہلو سے کی گئی تحقیق میں... یا مرتّب کی گئی تالیف میں... یا مضمون نگاری میں... صاحبانِ قلم نے قصیدۂ معراجیہ کو صرفِ نظر کیا ہو، ایسا فقیر کی دانست میں نہیں... لہٰذا حدائقِ بخشش کی روشنی میں قصیدۂ معراجیہ پر کام کا اجمالی خاکہ کچھ یوں ہے:

- اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت کے قلم فیض رقم سے ترتیب دیا ہُوا نسخہ حضرت امینِ ملّت سیّد محمد امین میاں برکاتی دام فیوضھم النورانیۃ زیبِ سجادہ کے تصرف میں مارہرہ مطہرہ شریف میں موجود ہے، جب کہ حدائقِ بخشش کا حصّۂ اوّل پہلی مرتبہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے زیرِ اہتمام شائع ہُوا، اور حصّۂ دوم حضرت مولانا حسنین رضا علیہ الرحمۃ کے زیرِ اہتمام بریلی شریف سے طبع ہُوا۔
- "الحقائق فی الحدائق"، شرح حدائقِ بخشش... 10 مجلدات، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ [۱]
- سخنِ رضا مطالب ہائے حدائقِ بخشش... مولانا صوفی محمد اوّل قادری رضوی سنبھلی [۲]

---

[۱] مطبوعہ مکتبۂ اُویسیہ رضویہ، بہاول پور، پاکستان۔

[۲] مطبوعہ مکتبۂ دانیال، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔

- شرح حدائق بخشش... علامہ حافظ غلام حسن قادری [۱]
- قصائد رضویہ کی مختصر شرح... محمد معین الدین خاں برکاتی... [۲]
- کلامِ حضرت رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ مع حدائق بخشش کامل... حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ [۳]
- حدائق بخشش کا فنی و عروضی جائزہ...ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی۔
- جہانِ امام احمد رضا... علامہ مفتی محمد حنیف خاں بریلوی [۴]
- بدائع و صنائع... میرزا امجد رازی
- وثائقِ بخشش شرح حدائقِ بخشش... حضرت مولانا مفتی محمد غلام یاسین راز امجدی (علیحدہ علیحدہ دو حصّے) [۵]
- شرح کلامِ امامِ اہلِ سنّت ... عبد القادر بدایونی۔
- کلامِ رضا تشریح کے آئینے میں...پروفیسر فیض احمد کاوش وغیرہم قابلِ ذکر ہیں۔

---

[۱] مطبوعہ مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

[۲] مطبوعہ کتاب محل، دربار مارکیٹ، لاہور۔

[۳] مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔

[۴] جلد نمبر 12 اور 13 امام اہلِ سنّت کی شاعری سے متعلق مرتب کی گئی۔ مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

[۵] مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی۔ جمعیتِ اشاعتِ اہلِ سنّت، کراچی۔

قصیدۂ معراجیہ پر تضمینات، شروحات، کتب و رسائل

انجمن ضیائے طیبہ کی ریسرچ و ریفرنس لائبریری میں موجود گوشۂ امام احمد رضا قائم ہے... اس گوشے سے شاعری کی الماری اور اس میں موجود مختلف رسائل و جرائد کی شیلف قابلِ ذکر ہے۔

چند نمونے قارئین کے ذوقِ مطالعہ کی نظر:

- فیضِ تنبیہ... سیّد العلما حضرت علامہ شاہ آل مصطفیٰ سیّد میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ [۱]
- تضمین "معراجِ حضور"... علامہ محمد حسن اثر قادری برکاتی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ [۲]
- تضمین "جانِ رحمت" ... ڈاکٹر ہلال جعفری... [۳]

---

[۱] اس کتاب کے وجود کا پتا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف سوانح حیات میں ملتا ہے... البتہ کتاب کے نسخے یا چھاپے کا سراغ فقیر کو نہ مل سکا...

[۲] علامہ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کے توسّط سے اور ان کے انٹرنیٹ پر موجود بلاگ پر اس نادر و نایاب تضمین کا سراغ ملا... تضمین نام تاریخی "معراج حضور... 1328ھ" حضرت مولانا حسن اثر قادری رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ فرمائش حکیم واصف حسین شاہ قادری اکبر آبادی تحریر فرمائی... جسے منشی محمد صبغۃ اللہ برق نے اپنے اہتمام کے ساتھ کانپور سے طبع کروایا... یہ پہلی تضمین ہے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں قصیدۂ معراجیہ پر لکھ کر شائع کی گئی...

[۳] انٹرنیٹ پر دورانِ کھوج ہلال جعفری صاحب کی قصیدۂ معراجیہ پر ایک تضمین نظر سے گزری...

- امام احمد رضا اور محسن کاکوروی ...ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی [۱]
- English ترجمہ ... قصیدۂ معراجیہ... پروفیسر جی ڈی قریشی (انگلینڈ) [۲]
- رضا بریلی کا قصیدۂ معراجیہ... مرزا نظام الدین بیگ جام بنارسی [۳]
- قصیدۂ معراجیہ بمع مختصر شرح... مفکرِ اہلِ سنّت حضرت علامہ ابو القاسم قادری ضیائی [۴]

---

[۱] مطبوعہ بریلی شریف۔

[۲] علامہ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کے توسط سے قصیدۂ معراجیہ کے انگلش ترجمہ کا سراغ ملا...جو سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر آسانی سے سرچ کیا جاسکتا ہے۔

[۳] مرزا نظام الدین بیگ جام بنارسی کا تحقیقی مقالہ "رضا بریلوی کا قصیدۂ معراجیہ" ہے... جس کی تلخیص معارف رضا میں شائع کی گئی، جب کہ مفصل مقالہ زیرِ طبع ہے...

[۴] حضرت علامہ ابو القاسم قادری ضیائی مدظلہ کی مختلف محافل و مجالس بموقع شبِ معراج شریف... قصیدۂ معراجیہ پر کی گئی بیانی شرح کو رکارڈنگ کے ذریعے قلم بند کر کے تحریک اتحادِ اہلِ سنّت نے 2016ء میں مفتی عبد الرحمٰن قادری ترابی کے حواشی کے ساتھ شائع کیا اور بعد ازاں اسی شرح کو قبلہ محمد اقبال صوفی مدنی مدظلہ کی فرمائش پر انجمن ضیائے طیبہ نے شائع کیا۔

- قران السعدین... قصیدۂ سلامیہ و معراجیہ کی تضمینات... ادیب و شاعر میرزا امجد رازی[1]
- قصیدۂ معراجیہ اور حرفِ روی... ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی
- حضرت رضا کا قصیدۂ معراجیہ ...علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری۔

اہلِ سنّت کے معمولات میں عوام و خواص کا خاص طریقہ و وطیرہ رہا ہے کہ...موقع کی مناسبت سے محافل و مجالس میں کلام و بیان کو چنا جاتا ہے... مثلاً ... رجب المرجب کے موقع پر بالخصوص معراج شریف کی 27/ رجب المرجب...بڑی رات... میں ہونے والی محافل... اور پاک و ہند اور اکنافِ عالم میں جہاں جہاں اہلِ عشق و محبت بیٹھتے ہیں... تو وہاں قصیدۂ معراجیہ کے منتخب اشعار کو ضرور معراج نامے کے طور پر پڑھتے ہیں... اور بعض بیٹھک میں تو مکمل قصیدے کے پڑھنے کا خاص علی الاعلان اہتمام کیا جاتا ہے...

پڑھا جائے نہ کیسے اہلِ سنّت کی محافل میں
بڑا پُر لطف و شیریں ہے کلام احمد رضا خاں کا

---

[1] رازی صاحب کی حال ہی میں لکھی گئی یہ تضمینات ان کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کی زینت بنی...بعد ازاں اسے انڈیا سے شائع کیا جا رہا ہے... رازی صاحب سے فقیر کی اسی موضوع کے حوالے سے گفت و شنید رہی تو آپ نے اپنی قصیدۂ معراجیہ کی تضمین کے بارے یہ فرمایا کہ یہ تضمین قصیدۂ معراجیہ کے اشعار کی مفہومی شرح بھی ہے... گویا یہ منظوم تضمینی شرح کہلائی...

قصیدۂ معراجیہ اور علم عروض

پروفیسر ڈاکٹر صابر سنبھلی اپنے مضمون ”حدائق بخشش کا عروضی جائزہ“ میں قصیدۂ معراجیہ کی بحر سے متعلق رقم طراز ہیں:

بحر متقارب: فعولن فعولن فعولن فعولن

امامِ اہلِ سنّت نے اس بحر کو سالم بھی استعمال کیا ہے اور اس کے دو مزاحف وزن بھی استعمال کیے ہیں۔ گویا اس بحر کے کل تین اوزان میں 7 نعتوں کے 143 اشعار عطا فرمائے۔

بحرِ متقارب مقبوض اثلم شانزدہ رکنی:

(فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن)

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

قصیدۂ معراجیہ اور حرفِ روی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی اپنی کتاب "حدائقِ بخشش کا فنی و عروضی جائزہ" میں "حرف روی" پر طویل بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا رَوِی تھی کیا کیسے قافیے تھے

بعض تبصرہ نگاروں نے اس شعر سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت امام کو خود احساس تھا کہ اس نظم میں فنی نقطۂ نظر سے کچھ سقم رہ گیا ہے۔ اس اشتباہ کا ازالہ ہم اپنے ایک طویل مضمون میں کرچکے ہیں، جو ہند و پاک کے متعدد رسائل میں شائع ہوچکا ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ ازالۂ اوہام کے لیے چند سطور پیش ہیں:

حضرت امام نے اس شعر میں "روی" اور "قافیہ" استعمال کیا ہے۔ "روی" قافیے کے آخری حرفِ اصلی کو کہتے ہیں یعنی لفظِ مستقل کا آخری حرف جس کو گرادینے سے وہ لفظ مہمل ہوجائے یا اپنے سابقہ معنٰی میں نہ رہ

جائے جیسے نظر اور صفر۔ پہلے لفظ کے حرفِ آخر کے حذف کے بعد ''نظ''، اور دوسرے لفظ کے حرفِ آخر کے حذف کے بعد ''صف'' بچا؛ پہلا مہمل ہے، دوسرا معنیٰ سابق میں نہیں ہے۔ یہاں روی ''ر'' ہے اور پورا لفظ یعنی نظر اور صفر قافیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ روی پر ہی قافیہ کی پوری عمارت قائم ہے؛ لیکن کبھی انھیں قوافی میں ایسے قافیے بھی لائے جاتے ہیں، جن کا آخری حرف گرا دینے پر بھی ان کے معنیٰ سابق برقرار رہتے ہیں، اس لیے اہلِ فن نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مطلع میں کم از کم ایک قافیہ ایسا ہو جس کی روی اصلی ہو۔ عطا، شفا اور وفا کی روی اصلی ہے، یعنی حرفِ الف مستقل لفظ کا جز ہے کیوں کہ ان تینوں الفاظ میں الف کو گرا دینے کے بعد ان کے سابق معانی قائم نہیں ہیں، لہٰذا ان میں الف روی ہے۔ رہا، سنا اور اٹھا، یہ تینوں الفاظ حذفِ الف کے بعد اپنے سابقہ معانی میں باقی ہیں۔ اس لیے مطلع میں عطا کے ساتھ رہا اور شفا کے ساتھ سنا کا قافیہ لایا جاسکتا ہے لیکن رہا کے ساتھ سنا کا قافیہ درست نہیں ہے کیوں کہ کم از کم ایک قافیے کی روی کا حرفِ اصلی ہونا ضروری ہے۔

حضرت امام کی اس نظم کے مطلع میں ''ہوئے'' اور ''لئے'' کا قافیہ استعمال ہُوا ہے۔ اِن میں ''ی'' روی ہے۔ یہ ''ی'' ہُوئے میں اضافی اور ''لئے'' میں اصلی ہے۔ اگر ''لیے'' لینا سے مشتق ہوتا تو پھر ہوئے اور لیے ہم قافیہ نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ شرط بھی صرف مطلع کے لیے ہے۔

اس لئے اس نظم میں ازروئے فن کوئی سقم نہیں ہے، بلکہ یہ عجز و فروتنی کا اظہار ہے۔ بعض اہلِ علم تو مولانا روم کو بھی اس شعر کے سبب عروض و قافیہ کے علم سے نابلد سمجھ بیٹھے حال آں کہ یہی شعر عروض سے واقفیت کو ظاہر کرتا ہے:

شعر می گویم بہ از آبِ حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات
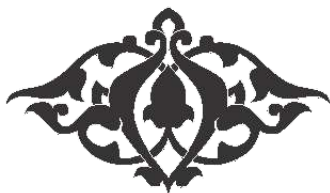
شبِ اسرا کے دولھا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنّت پہ لاکھوں سلام

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

(حدائقِ بخشش)

قصیدۂ معراجیہ کی مضمون آفرینی

حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کلام حضرت رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ ''میں ایک ذیلی عنوان ''مضمون آفرینی'' کے تحت قصیدۂ معراجیہ کے چند اشعار پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قصیدہ در تہنیتِ شادیِ اسریٰ کے عنوان سے جو نظم حضرت رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے رقم فرمائی ہے وہ اُن کی مضمون آفرینی کا کمال ہے۔ معنیٰ آفرینی کا مقام بہت سخت ہے، خصوصاً قوّتِ تخیّلہ بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اسی معنیٰ آفرینی اور جدّت طرازی کی بدولت مرزا غالب کو اپنے کلام کا بڑا حصّہ نظر انداز کرنا پڑا، اس کا باعث معنیٰ آفرینی میں اُن کی قوتِ تخیّلہ کی بے راہ روی تھی اور وہ تو تغزل کا میدان تھا، یہاں اس کے برعکس نعتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام فلک سا ہے، ہر قدم پر قدغن ہے اور ہر گام پر تاکید کہ ''ہشیار کہ رہ ہر دم تیغ است قدم را'' ایسے میدان میں اور ایسے راستے پر خامۂ رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جس انداز سے معنیٰ آفرینی اور مضامینِ نو کی تخلیق کی ہے وہ انہی کا حصّہ ہے۔

اِس نظم میں معنٰی آفرینی بھی ہے محاکات بھی۔ نعت میں محاکات کا وصف پیدا کرنا انتہائی دشوار ہے۔ اس حقیقت کو وہی حضرات محسوس کر سکیں گے جنھوں نے نعتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں کبھی قلم اٹھایا ہے اور وہ بھی نثر کے بجائے نظم میں، جی ہاں اس نظم میں محاکات کا بھی وصف ہے اور زبان و بیان کا بھی کیف ہر جگہ موجود ہے اور ان تمام خصوصیات کلام نے جمع ہو کر اس نظم کو نعتیہ شاعری کا شاہ کار بنا دیا ہے۔

اِس نظم کی تمہید میں حضرت رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں:

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے اَنوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

وہ جوت پڑتی تھی اُن کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دُلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

ذرا یہ شعر تو ملاحظہ کیجیے کہ چاندنی (ماہتاب) کا پرانا فرش کثرتِ استعمال سے ملگجا ہو گیا تھا، سرکارِ والا کے راستے سے اسے اٹھا دیا گیا اور ایک اور فرش بچھایا گیا، وہ فرش کون سا تھا ملاحظہ کیجیے:

پُرانا پُر داغ ملگجا تھا، اُٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارِ نگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادلے تھے

نور کی کثرت اور اس کی جگمگاہٹ، امیدوں کا ہجوم اور اژدہام ملاحظہ کیجیے:

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا، غزال دَم خوردہ کا بھڑکنا
شعاعیں بکّے اڑا رہی تھیں، تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے
ہجومِ امّید ہے گھٹاؤ، مرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لیے بڑھاؤ، ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

یہ نظم 67/ اَشعار پر مشتمل ہے اگر میں مضمون آفرینی پر مشتمل تمام اَشعار پیش کروں تو اس صورت میں مجھے دو ثلث (2/3) نظم پیش کرنا ہوگی اور صفحات کی تنگ دامانی اس کے لیے مانع ہی، چنانچہ اِس نظم کے صرف چند اَشعار اور پیش کروں گا، ملاحظہ ہو:

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت، کہ دھل گیا نامِ ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت کہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

جھکا تھا سجدے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں میں مل رہا تھا، وہ گرد قربان ہو رہے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے، گماں سے گزرے گزرنے والے
سُراغِ اَین و متیٰ کہاں تھا، نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے
وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

میں چاہتا تھا کہ اس شعر پر اس نظم کا انتخاب ختم کروں کہ بے ساختہ دل نے کہا کہ شمس یہ دو شعر اور پیش کرو! سبحان اللہ سبحان اللہ کیا اہتمام ہے اور کیا مضمون آفرینی ہے:

سُرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلشن تھے تارِ فرشی، جو پھول تھے سب کنول بنے تھے
طرب کی نازش کہ ہاں لچکیے، ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضِدّین تھا کہ پودے، کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے

سبحان اللہ سبحان اللہ! مضمون آفرینی کے ساتھ تناسبِ لفظی جوشِ ضِدّین کا ازّہ اور پھر اس کی کشاکش، قربان جائیے کیا انداز بیان ہے اور کیا معنی آفرینی!!

زہے عزّت و اعتلائے محمد ﷺ
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد ﷺ

مکاں عرش اُن کا فلک فرش اُن کا
ملک خادمانِ سرائے محمد ﷺ

(حدائقِ بخشش)
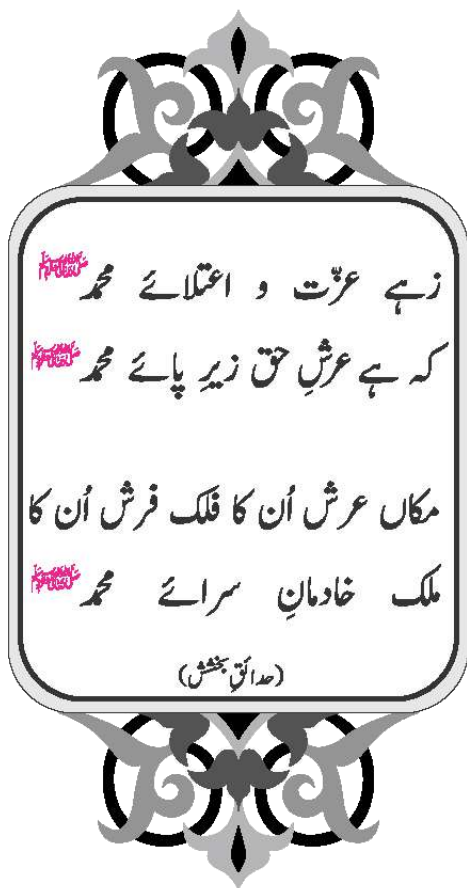
قصیدۂ معراجیہ میں پیکر تراشی (محاکات)

علامہ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اپنے مضمون ''کلامِ رضا میں محاکات (پیکر تراشی)'' میں اس فن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

پیکر کا پہلا مفہوم نفسیات اور دوسرا ادب سے قریب تر ہے، پیکر کے ادبی تصور کی جھلک ''وصفِ مصوری'' اور محاکات'' کی تعریفوں میں ملتی ہے... محاکات کی تعریف وصف اور مصوّری کی تعریفوں کے مقابلے میں پیکر کی تعریف سے زیادہ قریب تر ہے کیوں کہ اس میں ''چیز اور حالت'' دونوں کی تصویر آنکھوں میں پھرنے کی شرط ہے... اور یہ تعریف ذہنی پیکریت اور لسانی پیکریت دونوں جانب اشارہ کرتی ہے... پھر بھی اردو کی پرانی اصطلاح پیکر کے مفہوم کو ادا نہیں کرتی۔

پیکریت کی تمام تعریفوں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ذہنی پیکریت   مجازی پیکریت   تجسمی پیکریت

اب ہم ایک ایسے شاعر کے یہاں پیکر تراشی کا جائزہ لیں گے جو انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں بیسویں صدی کے دورِ اوّل کا شاعر ہے... یعنی امام احمد رضا بریلوی۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
اٹھی جو گردِ رہِ منوّر وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل اُمنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

مندرجۂ بالا اشعار میں موجوں کا سوکھی زبانیں دکھانا... بھنور کی آنکھوں میں حلقے پڑنا... راہِ منوّر کی گرد سے نور کا برسنا... اور جنگل کا امنڈ کے ابلنا... ایسے استعارے ہیں جو ان اشعار کی پیکریت کی تشکیل کرتے ہیں...

ان پیکروں میں بصری پیکر... سماعی پیکر... اور دوسرے حسیاتی عناصر بھی شامل ہیں اور مزاج کے اعتبار سے کہیں متحرک... کہیں جامد... کہیں رنگین... کہیں یادداشتی... اور کہیں بے رنگ بھی ہیں...

اب الگ الگ مختلف پیکروں کا تجزیہ بھی حضرت رضا کی شاعری میں دیکھتے ہیں:

رنگین پیکر: خوشی کے بادل کا امنڈنا... دلوں کے طاؤس کا رنگ لانا

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

متحرک پیکر: محیط کا چلنا...

کمانِ امکاں کے جھوٹے، نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

نوری پیکر: آبِ رواں کا چمکتا لباس...

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

بصری پیکر:

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے

اُتار کر اُن کے رُخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

مندرجۂ بالا اشعار میں وصل و فرقت کا گلے ملنا... اور چاند کا مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگنا... ایسا لگتا ہے کہ یہ سارے کے سارے جسم بن گئے ہیں اور ان کی تصویروں کو ہم کھلی آنکھوں سے ان کی ایک ایک ادا اور حرکت کے ساتھ معائنہ کر رہے ہیں... یہ پیکر تراشی کا کمال ہے اور یہ بصری پیکر کی بہترین مثالیں ہیں...

(حدائقِ بخشش)

قصیدۂ معراجیہ میں محاورات کا جائزہ

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اپنے مضمون ”کلامِ رضا میں محاورات اور ضرب الامثال“ میں محاورات کا جائزہ لیتے ہوئے ”ی، ے“ کی ردیف کے کلام میں قصیدۂ معراجیہ کے درجِ ذیل اشعار سے متعلق لکھتے ہیں:

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جمائے کھڑے سلامی کے واسطے تھے

محاورہ: لالے پڑنا: مصیبت میں پھنسنا، مشکل ہونا، نہایت نہ امّید ہونا:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکالے گماں سے گذرے گذرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

محاورہ: رنگ لانا: رنگ پکڑنا، رنگین ہونا، اچھا دکھائی دینا:

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

محاورہ: ہوش جانا: عقل گم ہونا، بے اوسان ہو جانا:

محاورہ: ہوا نہ پانا: سراغ نہ ملنا:

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

محاورہ: دم چڑھنا: ہانپنا:

جِلو میں جو مرغِ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے

جہاں تک راقم کی نگاہ پہنچی اس نے محاورات و ضرب الامثال جمع کیے، ممکن ہے نگاہ اچک گئی ہو اور کچھ محاورے رہ بھی گئے ہوں۔
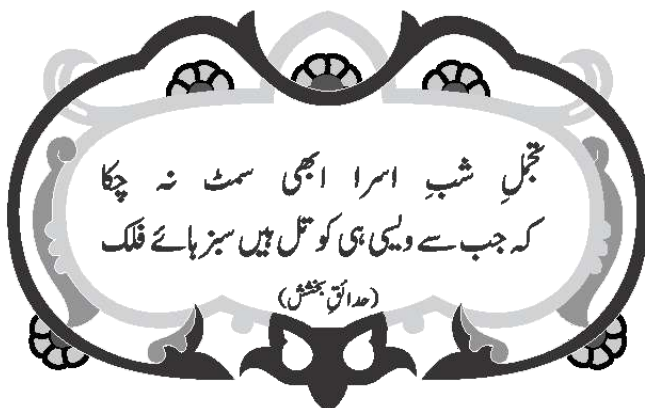
قصیدۂ معراجیہ میں سائنسی پہلو

سفرِ معراج... تاریخِ انسانی کا ایک نادر اور تعجب انگیز واقعہ ہے... مادّی کائنات اور غیر مادّی کائنات ... اٹھارہ ہزار عالم یا چالیس ہزار عالم کی سیر... شب کے مختصر حصّے میں اور بیداری کے عالم میں کرائی گئی... رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متعدد صفات و جہات ہیں۔

انجمن ضیائے طیبہ کی اشاعتی کتاب "سیر گاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہاں سے؟ کہاں تک؟" میں محقق اہلِ سنّت علامہ نسیم احمد صدیقی نوری نے معراج کے سائنسی پہلوؤں کو اجاگر کیا... اور مزید لکھتے ہیں کہ:

نہایت اختصار سے چند نکات نذرِ مطالعہ کیے ہیں... رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیر گاہ کی وسعتوں کا تفصیلی مطالعہ کریں تو کچھ ادراک ہوتا ہے کہ "سیر گاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہاں سے؟ کہاں تک؟ کا مفہوم و مطلب کیا ہے؟ طول و عرض کیا ہے؟

علامہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے مضمون "کلام رضا اور علوم ریاضی" میں قصیدۂ معراجیہ کے ان اشعار پر جو علم طبیعیات سے متعلق ہیں روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں کہ:

آج الجبرا میں رنگ تھیوری، سیٹ تھیوری، کمپلکس ویری ایبل، ٹاپولوجی تھیوری آف ری ایل ویری ایبل وغیرہ فلسفہ و منطق کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ مابعد الطبعیات (میٹا فزکس) خود ہی فلسفہ ہے؛ لہٰذا، اب ذیل میں فلسفہ و منطق، مابعد الطبعیات اور سائنس و ریاضی کے تحت کچھ اشعار پیش کروں گا:

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

(فلسفۂ ذکرِ معراج)

سراغِ اَیْن و متٰی کہاں تھا نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا!
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

(مابعد الطبعیات)

کمانِ امکاں کے جھوٹے، نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

(جیومیٹری)

خط، دائرہ اور دوسری شکلیں مثلاً پیرابولا، ہانپر بولان وغیرہ سب نقطوں ہی کے راستے ہیں اور اسی سے بنے ہیں ایک مختلف زاویوں سے راستہ طے کر کے مختلف شکلیں بناتا ہے۔ نقطے کی اِس چال کو لوکس یعنی خطِ سفر کہتے ہیں دائرہ بھی نقطے ہی کے ایک مخصوص راستہ طے کرنے کی وجہ سے بنتا ہے اور جب دائرہ کھینچا ہوا ہو تو یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ نقطہ نے کس مقام سے چل کر سفر شروع کیا تھا اور کون اس کا نقطۂ اوّل ہے اور کون سا آخر اور یہ بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ دائرے کی تشکیل کے لیے یہ داہنے سمت سے چلا تھا یا بائیں سمت سے یعنی کلاک وائز یا اینٹی کلاک وائز۔ اس شعر میں انھیں نکتوں کو پیشِ نظر رکھ کر معراج کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے۔ یہاں کمانِ امکاں سے مراد دائرہ ہے۔ ایک شعر اور ملاحظہ ہو

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

م... مرکز ہے اور ب... ج ... محیط ہے۔ ا... ب...د... ج.... اور خطوط واصل کے بیان میں قرب کا ذکر کس خوبی سے جیومیٹری کی اصطلاحات اور وہ خاص کیفیت جسے لیمیٹنگ پوزیشن کہتے ہیں کا نقشہ کھینچتے ہیں بغیر ریاضی کے علم کے اس طرح کا بیان کسی علم کے ذریعے ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ ان اشعار سے حضرت رضا کی تجر علمی، ریاضی و سائنس میں ان کی مہارت اور ان کی شاعرانہ فنکاری کا بھی اظہار ہوتا ہے...
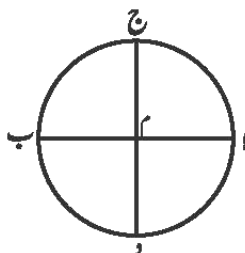
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اپنے مضمون ”مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری“ میں علوم وفنون کے استعمال سے متعلق رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں نازک خیال ہی کو جگہ نہیں دی ہے، بلکہ وصفِ رسالت پناہی کے لیے انھوں نے معقولات اور پھر اس میں ہیئت، نجوم، منطق و فلسفہ میں ڈھال کر ایک مشکل روش ایجاد کی ہے۔ معقولات کے جن مطالب اور مفاہیم کا سمجھنا نثر میں مشکل ہوتا ہے وہ اسے خوش اسلوبی کے ساتھ شعر کی زبان میں سمجھاتے ہیں ملاحظہ کیجیے:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

قصیدۂ معراجیہ کے درجِ بالا اشعار میں ہندسہ اور مابعد الطبیعیات کی کیفیت سے بحث کی گئی ہے۔

پروفیسر منیر الحق کعبی فاروقی اپنے مضمون ”امام احمد رضا کی شخصیت اپنے کلام کے آئینے میں“ میں قصیدۂ معراجیہ کے چند اشعار کی علمی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں کہ:

”فلسفہ“ فلسفیانہ انداز میں اپنے اشعار کو سنوارتے ہوئے فرماتے ہیں:

سُراغِ اَین و متٰی کہاں تھا نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

”ہندسہ وریاضی“ کی اصطلاحات کو کس انداز میں استعمال میں لاتے ہیں:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

قافیہ بندی کا کمال ملاحظہ فرمائیں:

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

قصیدۂ معراجیہ اور ضلع جگت

علامہ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اپنے مضمون ”کلامِ رضا اور ضلع جگت“ میں اس فن پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا کے کلام پر تبصرہ کرنے والوں نے صنعتِ مراعات النظیر کی بہت ساری مثالیں ان کے کلام سے پیش کی ہیں۔ میں یہاں کلامِ رضا سے اسی صنعت کی مثالیں ضلع کے انداز میں پیش کروں گا جیسا کہ مختلف عنوانات باغ کا ضلع، سراپا کا ضلع، برسات کا ضلع وغیرہ۔

شادی کا ضلع: سہرا... نچھاور... سلامی وغیرہ۔

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رُویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

زیور کا ضلع:

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

اقلیدس کا ضلع: نقطہ... محیط... مرکز... خطوط... دائرے وغیرہ

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

شاعری کا ضلع: روی... قافیہ وغیرہ۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

قصیدۂ معراجیہ پر رقم طرازیاں

محدثِ اعظم ہند حضرت علامہ سیّد محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کر سنایا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدے کی زبان کے متعلق سننا چاہتا ہوں تو سب نے کہا: اِس کی زبان کوثر و تسنیم کی دھلی ہوئی ہے۔" [1]

---

[1] اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی دہلی میں پیش آیا تو سر آمد شعرائے دہلی نے جواب دیا کہ "ہم سے کچھ نہ پوچھیے، آپ عمر بھر پڑھتے رہیے، ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ رضوی صاحب اپنے مضمون ''اَشعارِ رضا کی توضیح و تفہیم اور شارحِ رضویات احسن العلما مارہروی'' میں رقم طراز ہیں کہ:

احسن العلما چوں کہ شارحِ کلامِ رضا تھے اس لیے آپ کلامِ رضا کے تلفّظ کا بھی خاص خیال رکھتے۔ اگر کوئی تلفّظ میں غلطی کرتا تو ایک مشفق استاذ کی حیثیت سے اصلاح فرماتے، یوں ہی کلام میں حزم و احتیاط کا لحاظ رکھتے۔

امام احمد رضا کے مشہور قصیدے کا شعر ہے:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہُوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اس ضمن میں مذکورہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت اشرف میاں تحریر فرماتے ہیں:

یہ قصیدہ تو وہ بہت ہی استغراق اور وجد کے عالم میں پڑھتے اور اس میں استعمال شدہ صفتوں کی تشریح ایسے دل کش انداز میں فرماتے کہ ہم بچوں کے ذہن میں بھی بات نقش ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت کا شعر اگر کوئی غلط پڑھتا تو نرم انداز میں ضرور ٹوک دیتے... اکثر فرماتے:

''حدائق بخشش ... سمجھنا تو الگ... پڑھنا بھی ... ہر ایرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہے...''

اس غلام قادری راقم الحروف نے بھی یہ قطعہ اپنے والدِ معظّم کی اسی بات کی یاد کی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھا ہے (یہ قطعہ اعلیٰ حضرت کے حاسدین و مخالفین کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے):

منارِ قصرِ رضا تو بلند کافی ہے
تم اس کے پہلے ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو
فتاوٰی رضویہ تو اک کرامت ہے
ذرا حدائقِ بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو

اور بلاشبہ یہ احسن العلما جیسے اکابر علما کا ہی وصف ہے کہ وہ "حدائقِ بخشش" کی تفہیم کے ساتھ ہی اس کی شرح کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

حضرت علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "کلامِ حضرت رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ" میں رقم طراز ہیں:

حضرت رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ کی وہ نظم یا غزلِ مسلسل جس کا عنوان "تہنیتِ شادیِ اسریٰ" ہے، اُن کے خامۂ نعت نگار کا شاہ کار ہے۔ یہ مقام ہے جہاں ادنیٰ سی لغزش صرف کمالِ شاعری ہی پر پانی پھیر دینے والی نہیں، بلکہ

خِذلان کی حدود میں پہنچا دینے والی ہوتی ہے؛ لیکن حضرتِ والا کے کمالِ شاعری اور تبحرِ علمی نے ایسے ایسے انداز دکھائے ہیں کہ روح وجد کرتی ہے۔

اس غزلِ مسلسل کا یہ تیسرا شعر پیشِ نظر رکھیے:

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

اب اس "تہنیتِ شادیِ اسریٰ" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے، کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولھا کے پیارے جلوے، حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منھ پر آنچل تجلّیِ ذاتِ بحت کے تھے

غلافِ کعبہ یعنی سیاہ پردے کو تجلی ذات بحت کے آنچل سے تعبیر کرنا خامۂ رضا کا کمال ہے:

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

میزاب زر کو جھومر قرار دے کر اس کا جھومنا اور ڈھلک کر کان پر آنا اور حطیم کی گود کا موتیوں سے بھرنا کیسی حسین اور پاکیزہ محاکات ہے اور وہ بھی نعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ! اسی نظم میں لباس کی آرائش تو ملاحظہ کیجیے:

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

اور

پرانا پُر داغ ملگجا تھا، اُٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارِ نگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادلے تھے

چاندنی کے ملگجے فرش کو اٹھانا اور اُس کی بجائے تارِ نگہ سے بادلے کا فرش بچھانا سبحان اللہ داد سے مستغنی ہے۔

ملاحظہ کیجیے اب دولھا کا صدقہ اُتارا جارہا ہے۔ شہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سے کیا صدقہ اُتارا گیا اور وہ صدقہ لینے کے لیے کون کون مچل رہا تھا:

اُتار کر اُن کے رخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

تا کہ ان کی تابانی میں کبھی فرق نہ آئے اور جبینِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ پا کر ہمیشہ اسی طرح نور افشاں رہیں۔

اس تشبیب کے بعد گریز اور پھر سفرِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حال ملاحظہ کیجیے:

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمھاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے
بڑھ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریں ہو احمد صلی اللہ علیہ وسلم قریب آ سرورِ مُمجّد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

یہ وہ عالَم ہے جہاں عقل و خرد کا گزر نہیں اور فہم ان کیفیات کے سمجھنے سے قاصر ہے:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکائے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے
سُراغِ اَین و متٰی کہاں تھا، نشانِ کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

اب کمالِ قرب کا ذکر اور اُس کی کیفیت ملاحظہ کیجیے:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

اِس نظم ''تہنیتِ شادیِ اسریٰ'' کا تمام تر یہی انداز ہے، قربِ الٰہی کی کیفیت، پھر اس کیفیت کا عالمِ محسوسات سے ورا ہونا اور اَعراض یعنی این، متیٰ، کیف و کم کا اس عالمِ قرب میں گم ہونا کیسے بلند پایہ افکار ہیں، جہت کو لالے پڑنا بتا رہا ہے کہ وہاں اَعراض کا زمان و مکان کا گزر نا تھا، نہ عالمِ قرب میں خط سفر تھا کہ ابتداء اور منتہا کا تعین کیا جا سکے، گویا ایک محیط تھا کہ جس میں اوّل و آخر کا تعین نہیں ہو سکتا، یہ تو عالمانہ رنگ کی جھلکیاں تھیں، اس نظم یا غزلِ مسلسل میں شاعرانہ رنگ اور شاعرانہ لطافتیں بھی قابلِ دید ہیں، وہ طبائع جو لطافتِ شاعرانہ کی خواہاں رہتی ہیں اُن کے مذاق کی تسکین اور رنگینی نظر کے بھی سامان موجود ہیں۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس نظم کو از اوّل تا آخر یہاں پیش کر دوں، لیکن صفحاتِ تنقید کی تنگ دامانی مانع ہے۔۔۔۔

تغزّل کا میدان محاکات کے لئے بڑی وسعت رکھتا ہے، غزل نگار شعرا کے یہاں محاکات کے بڑے پُر لطف انداز ملتے ہیں اور بڑے دل کش اور دل نشیں اَشعار اس خصوصیت کے حامل موجود ہیں، لیکن نعت شریف میں محاکات اس قدر مشکل مرحلہ ہے کہ شاید ہی آپ کو کسی نعت گو شاعر کے یہاں یہ خصوصیت بقیدِ آدابِ نعت نظر آئے، خامۂ رضا نے اس خصوص میں بھی اپنا کمال دکھایا ہے۔ "قصیدہ در تہنیتِ شادیِ اسریٰ" ملاحظہ کیجیے، محاکات سے بھرپور اَشعار آپ کو بکثرت وہاں ملیں گے فرماتے ہیں:

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر، صلاۃ وتسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

اٹھی جو گردِ رہِ منوّر، وہ نور برسا کے راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل امنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

دلھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے

نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

پرانا پُر داغ ملگجا تھا، اُٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادلے تھے

شبِ اسریٰ میں عالم قرب کا حال جو کیف و کم کی تعبیر سے مستغنی تھا سبحان اللہ کس انداز سے بیان فرمایا ہے:

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے جس منزل پر حاملِ وحیِ الٰہی کی زبان سے یہ اقرار بھی کرایا تھا:

اگر یک سرِ موئے برتر پرَم
فروغِ تجلّیِ بسوزد پرَم

سبحان اللہ! حضرت رضا کا خامہ کس بانکپن سے اس مضمون کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ رفعتِ مقام تو ملاحظہ ہو:

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

ان تین اَشعار میں محاکات کا کمال "مقامِ قرب" میں ملاحظہ کیجیے:

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتاً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دَنٰی تَدَلّٰی کے سلسلے تھے

اب عالمِ قرب کی محاکات ملاحظہ ہو، کیا انداز ہے اور کس قدر بلیغ کنائے ہیں:

ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا، تموّجِ بحر ھُوْ سے اُبھرا
دنٰی کی گودی میں ان کو لے کے فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے
اُٹھے جو قصرِ دَنٰی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

"وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے" فرما کر جس کمالِ قرب کا اظہار فرمایا ہے اور جس دقیق ترین مسئلے کو چند لفظوں میں مکمل فرمایا ہے وہ داد سے مستغنی ہے۔

خطیبِ ملّت مولانا عبد الماجد بدایونی اپنی بے مثل تصنیف "دربارِ علم" کے دیباچے میں رقم طراز ہیں کہ:

ہر دربار کے اوّل کچھ نثر خوب صورت نقشۂ دربار و اشتیاقِ دربار ہے جس کی غرض صرف تنشیطِ اذہان و تلمیحِ ذوق جو نظم و نثر میں جب کہ کسی صورتِ خیالیہ کو واقعے کی شکل میں دکھانا ہو، برابر برتا گیا ہے۔ بعض شعرا نے نعت و مناقب کے قصائد و بیانِ واقعاتِ ہجرت و معراج میں بھی اس طرح کا کلام زائد اس غرض سے کہا ہے جیسا کہ آپ بریلوی شاعر (مولانا احمد رضا خاں صاحب) کے قصیدۂ نعتیہ معراجیہ کے اشعار...

علامہ سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مضمون "کلامِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات اور فنی خوبیاں" میں رقم طراز ہیں:

یہ قصیدہ بھی آپ کی جودت وجدت طبع کا آئینہ دار ہے۔ حرف روی میں کہا ہے، لیکن خوب کہا ہے۔ سرسٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور دو تین گھنٹوں کی

معمولی کاوش کا نتیجہ ہے۔ روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔

مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی اپنے مضمون "سیرِ چمنِ رضا" میں قصیدۂ معراجیہ کے دو اَشعار میں گُل، غنچہ و پھول جیسے الفاظ کے استعمال سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

گُل، غنچہ کے استعارے اور نادر تشبیہات اردو شاعری میں سب سے زیادہ حکیم مومن خان مومن دہلوی نے استعمال کیے ہیں، مگر رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ نے نعت کے میدان میں چمن و گلستاں و گل و غنچہ، عندلیب و باغ کے استعاروں سے نوع بہ نوع معانی پیدا کیے ہیں۔

صاحبزادہ ابو الحسن واحد رضوی اپنے مضمون "امام احمد رضا کے نعتیہ مضامین" میں رقم طراز ہیں:

معجزۂ معراج کے بیان میں اعلیٰ حضرت کا قصیدہ اپنی مثال آپ ہے۔ مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات استعمال کر کے امام موصوف نے جگہ جگہ اپنی فنی و علمی پختگی کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے مضمون "امام احمد رضا کی ترکیب سازی" میں بھی قصیدۂ معراجیہ سے متعلق روشنی ڈالی ہے اور اپنے ایک اور مضمون "اَشعارِ رضا میں دولھا، دلھن لفظوں کا استعمال" میں بھی قصیدۂ معراجیہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

لکھتے ہیں:

امام احمد رضا کے متعدد اَشعار میں دولھا دلھن لفظوں کا استعمال ہوا ہے، جیسے:

1۔ نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تِل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

2۔ نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منھ پر آنچل تجلّیِ ذاتِ بحت کے تھے

3۔ دُلھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیمِ گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اُڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

4۔ خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالَم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

5۔ بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

6۔ جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

اشعار نمبر 1 تا 6، امام احمد رضا کے قصیدۂ معراجیہ میں شامل ہیں۔ اِن اشعار کی بابت حیاتِ رضا ہی میں مؤرّخہ 9ر شعبان 1334ھ گڑھی اختیار خان تحصیل خان پورہ ریاست بہاول پور سے محمد یار صاحب واعظ نے استفتا کیا تھا کہ یہ اَشعار مَعَاذَ اللہ! اللہ جَلَّ وَعَلَا اور حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حق میں ہیں اور اُن کے حق میں اِن الفاظ کا استعمال کرنا موجبِ کفر ہے۔ ایسا کچھ معترضین اعلان کرتے پھر رہے ہیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کا جو جواب دیا تھا وہ اُن کے مجموعۂ فتاوٰی "فتاوٰی رضویہ جلدِ ششم" میں شامل ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی اپنے مضمون "اقبال و رضا کا تقابل" میں ڈاکٹر اقبال کے معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اشعار سے متعلق رقم طراز ہیں:

اقبال نے اپنے لیکچروں میں "صفات و ذات" کی حضرت موسیٰ و مصطفیٰ علیہما السلام پر، کرم فرمائیوں کے متعلق جو شعر نقل کیا ہے وہی تقابل جب امام احمد رضا بریلوی کرتے ہیں تو صورت یہ بنتی ہے:

تَبَارَكَ اللہُ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرَانِیْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

امام احمد رضا بریلوی بارگاہِ خداوندی میں محبوبِ دل نواز کی باریابی کا ذکر اپنے کلام میں بار بار کرتے ہیں اور واقعۂ معراج کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایک طویل قصیدۂ معراجیہ بعنوان:

"معراج نظم نذرِ گدا بحضور سلطان الانبیا علیہ افضل الصلاۃ والثنا
در تہنیتِ شادیِ اسرا"

تحریر فرمایا جس کا مطلع بے حد معروف ہے۔

علامہ مظفر الدین احمد مصباحی اپنے مضمون "علامہ رضا بریلوی ایک مظلوم شاعر" میں رقم طراز ہیں:

قصیدۂ معراجیہ بہت شعرا نے لکھے ہیں اور فنکاریاں کی ہیں، لیکن علامہ رضا کا لکھا ہوا قصیدۂ معراجیہ لفظی اور معنوی خوبیوں کا سنگم ہے، آج تک معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا قصیدہ کسی نے نہیں لکھا، ایک ایک لفظ کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے، زبان کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام اپنے مضمون "کلامِ رضا کی شعری جمالیات" میں رقم طراز ہیں کہ:

قصیدے کے اشعار کسی بھی طرح اردو کے نمائندہ قصائد سے کم نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قصیدے کی اصل روح لب و لہجے کا پُر شکوہ ہونا ہے اور مبالغہ اس کی جان ہے، تخیلات کے سہارے شاعر اپنے کلام کو دل کش و دل فریب بناتا ہے۔ امام احمد رضا کے اس قصیدۂ معراجیہ میں صنف قصیدہ کی تمام خوبیاں اپنی خاص آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں شعری جمالیات کے وہ عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں جن کا ایک سرا اگر ایک طرف انتہائی عقیدت و محبت کی طرف جاتا ہے تو دوسرا سِرا قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔ اس لیے اس

قصیدے میں جن کی جو جلوہ طرازیاں اور جولانیاں موجود ہیں ان کو مئے دو آتشہ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

ملک شیر محمد خان اعوان قادری ضیائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مضمون "امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری" میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں کہ:

واقعۂ معراج شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے۔ مولانا نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی اور اپنی طبع رواں کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ بحر لمبی اور مشکل ہے، لیکن مولانا کے حُسنِ بیان نے اسے آسان کردیا ہے۔ پوری نظم موسیقیت اور ترنم کا حسین مرقع ہے۔ تحت اللفظ پڑھیے تو بھی ترنم پیدا ہوجاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے معراج کے موضوع پر جو کچھ کہا ہے اس کی شان نرالی ہے۔

ریاض مجید اپنے مضمون "امام احمد رضا کی اردو نعت گوئی" میں رقم طراز ہیں:

قصیدۂ معراجیہ مولانا کا دوسرا مشہور قصیدہ ہے، جو تہنیت شادی اسریٰ کے عنوان سے موسوم ہے، یہ نظم نسبتاً طویل اور مترنم بحر میں ہے۔ یہ قصیدہ 67 اشعار پر مشتمل ہے۔ شروع سے آخر تک یہی زور بیان اور تسلسل ہے معراج کی مناسبت سے قصیدے کی پوری فضا رنگ و نور میں ڈوبی

ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے الفاظ کے انتخاب اور تشبیہ واستعارہ میں خوشی کے عنصر کو ملحوظ رکھا ہے۔ بحر کا ترنم اور نشاطیہ آہنگ اس پر مستزاد ہے۔ اس معراجیہ نظم میں اشارہ وکنایہ سے موضوع کی اس خوب صورتی سے ترجمانی کی گئی ہے کہ مولانا کی شعری استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً قربِ الٰہی کی کیفیت کا عالمِ محسوسات سے وراہونا اور اعراض یعنی اَین و متٰی، کیف و کم کا اس عالمِ قرب میں گم ہونا زمان و مکان اور ابتدا وانتہا نیز اطراف و حدود کے تعینات سے دور معراجِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت و مشاہدہ کا اظہار مولانا نے جس اِیما و کنایہ سے کیا ہے وہ ان کی معجز بیانی کا شاہ کار ہے۔

ڈاکٹر سیّد شاہ محمد طلحہ رضوی برق اپنے مضمون ”کلامِ رضا میں لفظ ارے کا استعمال“ میں رقم طراز ہیں کہ:

اردو زبان میں لفظ ”ارے“ شروع سے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اساتذہ کے کلام میں یہ لفظ بکثرت ملے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پردازِ سخن کا یہ انداز حضرت رضا کے یہاں کتنا انوکھا، اچھوتا اور دل چسپ و دل نشیں ہے۔

ارے شفقت و محبت کے لیے، ارے نصیحت و عبرت کے لیے، ارے تلقین و تسکین کے لیے، ارے لعن و قدح کے لیے، اس تنوع کے ساتھ

استعمال ہوا ہے جس کی مثال اردو شاعری میں اور کہیں نہ ملے گی۔ یہ شعر ملاحظہ ہو:

اٹھے جو قصرِ دَنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

سیّد عابد علی عاؔبد بریلوی اپنے مضمون "کلام الامام امام الکلام" میں رقم طراز ہیں کہ:

یہ معراجیہ قصیدہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ پورے واقعۂ معراج کو جس حُسنِ لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے، پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اوراق میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

پروفیسر محمد اکرم رضا اپنے مضمون "امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری، فنی و تحقیقی جائزہ" میں رقم طراز ہیں کہ:

قصیدۂ معراجیہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سفرِ معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت و فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذاتِ خود فکر و فن کا شہکار اور کاروانِ مدحت و نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات، استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے

سرمایۂ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جودت و جدّتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے انھی دنوں معراج پر اپنا مشہور قصیدہ:

"سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل"

لکھا تھا۔

راؤ سلطان مجاہد رضا قادری اپنے مضمون "شعری اثاثۂ اعلیٰ حضرت اور نئے فکری و فنی علوم" میں رقم طراز ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شعری اثاثے میں چھپے نئے علوم اور منفرد فنی اسلوب کی طرف محقق اکابرِ فن اور اُن کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی مقالوں کی تیاری کرنے والے یا تیاری کا ارادہ رکھنے والے شاگردانِ کرام کی توجہ کے لیے بے شمار تحقیق طلب گوشے موجود ہیں۔

(قصیدۂ معراجیہ سے چند اَشعار کی مثالیں:)

دولھا: عشقیہ ادب میں "دولھا" کا لفظ آتا ہے تو مجازی شاعر اپنے آپ کو دولھا کے روپ میں دیکھنے لگتا ہے اور دلھن (محبوب) اس کے تخیلات پر چھا جاتی ہے اور لفظ "آنچل" تو شیریں ادا اور شکر لب محبوب کے شعلہ

رخ (یعنی چہرے) کے لیے خاص ہے۔ بہ ظاہر لفظِ "آنچل" کو عشقیہ ادب سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا ہے، لیکن "ادبِ سعید کے مجدد اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی نے کعبے کے سیاہ غلاف کو ذات کی تجلّی کا آنچل کہہ کر، لفظ "آنچل" کو "مجازی ادب" کے کنجر خانے سے نکال کر خانۂ کعبہ کا خادم بنادیا ہے اور لفظِ آنچل کو علم کے اتنے اونچے درجے پر جا کر شعر کا حصّہ بنایا ہے کہ اہل علم جتنا اس پر غور کرتے جائیں گے اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی کے علوم کی وسعتیں اتنی ہی ان کے سامنے آتی جائیں گی۔ دل تھام کر شعر سنیے:

نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے مُنھ پر آنچل تجلّیِ ذاتِ بحت کے تھے

تل اور کمر: عشقیہ مجازی ادب میں الفاظ "دلھن" پھبن، نکھرنا، سنورنا، بناؤ (سنگھار)، کمر، تل وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو عشقیہ ادب سے نکال کر "شرعی ادب" کا حصّہ بنانے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ لفظِ "تل"، "کمر" یہ الفاظ محبوب کے لیے خاص عشقیہ شاعری کا حصّہ ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت مجدد امام یہاں کیا کر رہے ہیں۔ دیکھیں دیکھیں وہ کتنی خوبصورتی اور

بے ساختگی کے ساتھ ان الفاظ کو عشقیہ ادب سے رہائی دلا رہے ہیں اور ان کو کلمہ پڑھا کر شریعت کے تابع کر رہے ہیں:

نئی دلھن کی پھبن میں کعبہ، نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے، کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

عشقیہ ادب اور مجازی شاعری نے محبوب کے لیے بڑے حسین اور پر کشش الفاظ کے ساتھ دیدۂ دل فرشِ راہ کیے ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی نے ان الفاظ کو عشقِ حقیقی کے احاطے میں لا کر اتنا با ادب بنا دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی اس علم کے امام نظر آتے ہیں۔

غزل جوئے علوم: اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی کی مسلسل غزل بعنوان ''در تہنیتِ درشادیِ اسرا'' کے شعروں کے اندر تو اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی کی دسترس و امامت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس غزل کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اس غزل کا ایک ایک شعر اپنے اپنے انداز سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ تین شعر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اس غزل کے اشعار میں جوئے علوم کے کناروں سے علوم اچھل اچھل کر کس طرح کناروں سے باہر آ رہے ہیں۔ سلاست و

فصاحت تو سر چڑھ کر بول ہی رہی ہے۔ کلام میں بلاغت (یعنی علوم کے انتہائی درجے تک پہنچنے) کی بہار بھی خوب جوبن پر ہے:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکالے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جانِ مراد اب کدھر ہائے ترا مکان ہے
(حدائقِ بخشش)

معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ضیائے طیبہ

انجمن ضیائے طیبہ کے زیرِ اہتمام بھی ہر سال جشن معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلے میں شب بیداری ہوتی ہے... اور شہرِ قائد کے مشہور جوڑیا بازار میں موجود دربارِ مصلح الدین متصل مصلح الدین گارڈن میں مکمّل قصیدۂ بُردہ شریف کے ساتھ قصیدۂ معراجیہ کو بھی ترنّم سے پڑھا جاتا ہے... جب کہ گزشتہ سالوں میں سے ایک سال اسی موقع پر حضرت علامہ ابوالقاسم قادری ضیائی دامت برکاتہم العالیۃ (قلمی نام: علامہ عاصی بغدادی) نے قصیدۂ معراجیہ کی مکمل زبانی شرح بیان کی جو بعد ازاں تحریری صورت میں ”تحریکِ اتحادِ اہلِ سنّت“ نے 2016ء میں مفتی عبدالرحمٰن قادری ترابی کے حواشی کے ساتھ شائع کی... اور اب امسال رجب المرجب 1441ھ / مارچ 2020ء... میں اس شرح کو انجمن ضیائے طیبہ نے کچھ اضافہ جات و تصحیح کے بعد اپنی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا ہے۔

انجمن ضیائے طیبہ کے شعبۂ ضیائی دارالاشاعت کے تحت معراج شریف کے موضوع پر مندرجۂ ذیل کتب و رسائل زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر، منصّۂ شہود پر آچکے ہیں:

- معراجِ جسمانی... حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
- اسرا و معراج... نبیرۂ قطبِ مدینہ فضیلۃ الشیخ علامہ ڈاکٹر محمد رضوان مدنی
- معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ہمارا عقیدہ... حضرت علامہ مفتی اکرام المحسن فیضی
- معراج سیر گاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کہاں سے کہاں تک؟ محقق اہلِ سنّت حضرت علامہ نسیم احمد صدّیقی نوری
- ضیائے رجب المرجب... محقق اہلِ سنّت حضرت علامہ نسیم احمد صدّیقی نوری

طور پر کوئی، کوئی چرخ پہ، یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائیِ دوست

(حدائقِ بخشش)

قصیدۂ معراجیہ

معراج نظم نذرِ گدا

بحضور سلطان الانبیا علیہ افضل الصلاۃ والثنا

در تہنیتِ شادیِ اسرا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لَے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئنے تھے

نئی دُلھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اِک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منھ پر آنچل تجلّیِ ذاتِ بحت کے تھے

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

دُلھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیمِ گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اُڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

پہاڑیوں کا وہ حُسنِ تزئیں وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں!
صبا سے سبزے میں لہریں آتیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

پرانا پُر داغ ملگجا تھا اُٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اُس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل، حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پَر جہاں بچھے تھے

خدا ہی دے صبر جانِ پُر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالَم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

اُتار کر اُن کے رُخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنّت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامُرادی کے دن لکھے تھے

ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک!، گناہ مستانہ جھومتے تھے

عجب نہ تھا رُخش کا چمکنا غزالِ دم خوردہ سا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

ہجومِ اُمّید ہے گھٹاؤ مرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لیے بڑھاؤ ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

اُٹھی جو گردِ رہِ منوّر وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل اُمنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے

ستم کیا کیسی مَت کٹی تھی قمر وہ خاک اُن کے رہ گزر کی
اُٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

بُراق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گُل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ عیاں ہوں معنیِ اوّل و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہ اُن کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا اُجالتے تھے کھنگالتے تھے

نقاب الٹے وہ مہرِ انور جلالِ رخسار گرمیوں پر!
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ ڈھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

وہ ظلِّ رحمت وہ رُخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زَرْبفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خِرَد کے جنگل میں پھول چمکا دَہَر دَہَر پیڑ جل رہے تھے

جِلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پَر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اُٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

سُنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

یہ سن کے بے خود پکار اُٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر اُن کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مَل رہا تھا وہ گردِ قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے چراغ مُنھ اپنا دیکھتے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے، حضرت!
تمھاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

بڑھ، اے محمد! قریں ہو، احمد! قریب آ، سرورِ ممجّد! صلی اللہ علیہ وسلم
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تَبَارَكَ اللهُ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرَانِيْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

خِرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گذرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سراغِ اَیْن و مَتٰی کہاں تھا نشانِ کَیْف و اِلٰی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت اُبھارتے تھے

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتاً فعل تھا اُدھر کا
تنزّلوں میں ترقی افزا دَنٰی تَدَلّٰی کے سلسلے تھے

ہوا یہ آخر کہ ایک بجرا تموّجِ بحرِ ھُوْ میں اُبھرا
دَنٰی کی گودی میں اُن کو لے کر فنا کے لنگر اُٹھا دیے تھے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا کدھر سے گزرا کہاں اتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

اُٹھے جو قصرِ دَنٰی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

اِدھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں اُدھر سے انعام خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

زبان کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

وہ برجِ بطحا کا ماہ پارہ بہشت کی سیر کو سدھارا
چمک پہ تھا خلد کا ستارہ کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

سُرورِ مَقدَم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کَنول بنے تھے

طرب کی نازش کہ ہاں لچکیئے ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضِدّین تھا کہ پودے کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لیے تھے

نبیِّ رحمت شفیعِ اُمّت رضاؔ پہ، لِلّٰہ! ہو عنایت
اِسے بھی اُن خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا رَوِی تھی کیا کیسے قافیے تھے

سب سے اچھا قصیدۂ معراجیہ

ہے ایک سے ایک لکھنے والا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا
رضا نے لکھا ہے سب سے اچھا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

عظیم شاعر جناب محسن گئے تھے کاکوری سے بریلی
سُنانے احمد رضا کو اپنا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

سنائے دو شعر ظہر میں، پھر ہُوا یہی طے کہ عصر پڑھ کر
سُنایا جائے گا پھر بَقِیَّہ قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

تو اِتنے میں، یہ ہُوئی کرامت کہ عصر سے پہلے اعلیٰ حضرت
رضا نے لکھ ڈالا اپنا پورا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

سو عصر کے بعد، خود رضا نے کی ذکر محسن سے اپنی خواہش
یہ عرض ہے سُن لیں پہلے میرا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

رضا سے سُن کر قصیدہ، محسن نے داد دی اور کہا کہ اب میں
سُناؤں کیا سُن کے اِتنا عمدہ قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

ہُوا یوں پھر وہ عظیم شاعر وہ پیارے محسن وہاں سے لوٹے
بِنا سُنائے ہی اپنا پیارا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

امام احمد رضا کا ہو یا جناب محسن کا، یوں تو اِن میں
ہر ایک اپنی جگہ ہے اعلیٰ قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

ندیمؔ! لیکن، گواہی یہ دے رہا ہے خود اِعترافِ محسن
رضا نے اُن سے بھی اچھا لکھا قصیدہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا

ندیم احمد ندیم نورانی